ہے)اور نہ وہ ٹیڑھے راستے پر ہے۔

اللہ تعالٰی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارا صاحب اور ساتھی کہہ کر لوگوں کو یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالٰی کے رسول نے تمہارے ساتھ زندگی کے کم وبیش پچاس، اکیاون سال گزارے، اس کی زندگی کا ہر لمحہ ہر واقعہ، ہر موڑ تمہارے سامنے ہے تم تو خود اس کی شہادت دیتے رہے ہو کہ وہ صادق ہے، امین ہے، تمہارا خیر خواہ ہے، وہ بھلا راہِ حق سے منہ کیسے موڑ سکتا ہے۔ وہ طبعی اور خلقی طور پر تم جیسا بشر سہی، مگر ہم نے اسے وحی کے قابل بنا کر اسے سر بسر نور بنا دیا۔ اس کے شب و روز نور ہی نور ہیں، اس کی تعلیمات نور ہیں، اور یہ نور قیامت تک انسانیت کی راہوں کو منور کرتا رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ المزمل، آیات ۵۔۶

۲۔ سورۃ احزاب، آیت ۲۱

۳۔ سورۃ بقرہ، آیت ۲۶۰

۴۔ سورۃ اعراف، آیت ۱۴۳

۵۔ سورۃ انعام، آیت ۱۲۔۱۴

۶۔ مسلم/ رقم ۲۷۵۱/ باب فی سعة رحمة الله

☆ ابن ماجہ/ رقم ۴۲۵۹/ بــاب مــا یــرجــی من رحمة الله

۷۔ سورۃ انفال، آیت ۴

۸۔ سورۃ آل عمران، ۱۰۴، ۱۰۵

۹۔ سورۃ المومنون، آیت ۱ تا ۱۱

۱۰۔ الفرقان، آیات ۶۳ تا ۷۷

۱۱۔ سورۃ الشعراء، آیت ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۸۰،

۱۲۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۶

۱۳۔ سورۃ النجم، آیت ۱، ۲

فرہنگ سیرت

حافظ سید فضل الرحمن

اپنے موضوع پر ایک منفرد، جامع اور نئی پیشکش

صفحات: ۳۲۸　　قیمت: ۱۵۰/روپے

زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے، ۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی نمبر ۱۸۔ فون: 6684790

www.zawwaracademy.org

E-mail: zawwaracademy@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر سید محمد ابو الخیر کشفی

مقامِ محمد ﷺ

قرآن کریم کے آئینے میں

﴿۶﴾

اول المؤمنین، صاحب اور اولیٰ:

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کائنات جل جلالہ نے جتنی عظیم اور گراں ذمہ داریوں کا اہل بنایا وہی آپ کے مقامِ بلند کی اساس ہیں، اور ان ذمہ داریوں اور فرائض کا ذکر کتاب اللہ میں مختلف مقامات پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم کے ہر قاری اور ہر طالب علم پر ذمہ داریوں اور منصب کی رفعت و بلندی اور ان دونوں کا باہمی تعلق روشن ہوتا جاتا ہے۔ خود قرآنِ حکیم کی آیات ایک ایسے بارِ امانت کی طرح ہیں کہ پہاڑ پر نازل ہوتیں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا، صرف قلبِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس بارِ عظیم کو برداشت کر سکتا تھا اور یہ قوت بھی عطیۂ رب تھی، سورۃ المزمل کی دو آیتوں میں یہ عظیم حقیقت اس طرح پیش کی گئی ہے کہ حیاتِ محمد ﷺ کے کتنے ہی ابواب ان کے آئینے میں جگمگاتے نظر آتے ہیں۔

> إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝ (۱)
>
> ہم آپ (ﷺ) پر ایک بھاری (اور عظیم) کلام نازل کرنے والے ہیں اور حقیقت یہ ہے رات کو اٹھنا نفس پر قابو پانے اور قرآن ٹھیک (اور اس کی عظمت کے مطابق) پڑھنے کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

ان آیات سے پہلے رات کی نماز اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے، یوں قرآن

اور نماز کا رشتہ واضح ہوگیا اور یہ بھی ہمیں معلوم ہوگیا کہ تبتل اس بوجھ کو برداشت کرنے کا ایک طریقہ ہے، اپنے تخیل کو کام میں لایئے اور دیکھئے کہ پوری کائنات میں صرف ایک فرد راتوں کو اپنے رب کے حضور قیام و رکوع و سجود میں مصروف ہے، تاکہ تعلیمات الٰہی کو انسانیت تک پہنچانے کی ذمہ داری کی اہلیت کو درجہ کمال تک پہنچا سکے، اور اس کی یہ تربیت نگاہِ خداوندی کے سامنے ہو رہی ہے، اس ایک فرد کا یہ عمل ساری دنیا سے کٹ کر اپنے رب سے رشتہ جوڑنے کا راستہ ہے، اور اس لئے کہ کفر اور ظلمت کی شب تاریک سے انسانیت کو نجات مل سکے۔

ہر رسول سب سے پہلے اپنی رسالت پر ایمان لاتا ہے کیونکہ اس کو رسول بنا کر بھیجنے والی ذات پر اس کو حد درجہ اعتماد ہوتا ہے، ذاتِ باری تعالیٰ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ اس جہاں شش جہات میں ممکن نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ آیاتِ انفس و آفاق اسے اس طرح دکھاتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اس کے لئے اپنے رب کی معرفت کا ایک باب بن جاتا ہے، کبھی نبی کا وجود خود ایک معجزہ بن جاتا ہے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کبھی رسول اپنے خالق کی آواز سنتا ہے اور یہی آواز اس کے لئے ''مشہود'' حقیقت بن جاتی ہے (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کبھی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مقام خلت پر اس طرح فائز فرماتا ہے کہ زندگی حدیث دوست بن جاتی ہے (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اور کبھی وہ اپنے رسول کی زندگی کو ایک ایسا صحیفہ بنا دیتا ہے کہ رسول کی زندگی کا ہر لمحہ اس کی نازل کی ہوئی کتاب کی عملی تفسیر بن جاتا ہے (حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور ان کی زندگی کو اہل ایمان کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا جاتا ہے۔ (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ ۲)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے رسول آئے وہ اپنی قوم اور عہد کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ یہ سلسلہ بعثت انبیائے عظام علیہم السلام حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی کے طور پر چھٹی صدی عیسوی میں مبعوث ہوئے اور آپ کا زمانِ نبوت جاری ہے اور قیام قیامت تک جاری رہے گا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جاری زمانے (جس کے دورانیے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے) کے ''مسلم اول'' ہونے کا شرف حاصل ہے اور رہے گا۔

ان تمام ''پہلے مسلمانوں'' کی سوانح اور واقعاتِ حیات میں بہت سے مشترک پہلو ہیں، ان کا اضطراب، اپنی قوموں کے راہِ راست پر آنے کے لئے اللہ سے ان کا رجوع، ان کی بے چینی، قوم کی طرف سے ان کا تمسخر، ان سے معجزوں کا مطالبہ اور عجیب و غریب معجزات کی طلب، اللہ تعالیٰ کی جانب

سے ان کے لئے حرفِ تسلی، ان کی دل دہی۔ ان مسلسل آزمائشوں کے سلسلوں میں انبیا کی سب سے بڑی قوت اللہ تعالیٰ سے ان کی قربت تھی، کم و بیش تمام رسولوں کو ان کے مرتبوں کے مطابق معراج حاصل ہوئی۔ کوئی نہ کوئی نقطۂ عروج، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "معراجِ کبریٰ" حاصل ہوئی۔ ان رسولوں کی زندگیوں میں بے یقینی اور رشک کا کوئی لمحہ نہیں آیا۔ انہوں نے اپنے مالک و خالق سے اگر کوئی تمنا کی یا کسی خواہش کا اظہار کیا تو وہ اس لئے کہ جن بنیادی باتوں کی وہ انسانوں کو تعلیم دے رہے تھے، ان کو اپنا ذاتی تجربہ بنا کر وہ شہادت دینا چاہتے تھے کہ ہم ان حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے کسی شک کی بنا پر نہیں تھا، وہ تو اس کی گواہی قوم کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی حیات کے ذریعے انہیں دکھا دیا، اس میں یہ نکتہ آپ کے سامنے رہے کہ چاروں پرندوں کو مارنے کے بعد ان کو ملا دیا گیا، اور پہاڑوں پر یہ ٹکڑے رکھ دیئے گئے، اور حضرت ابراہیم نے ان کو آواز دی تو وہ اڑتے ہوئے نہیں بلکہ چلتے ہوئے ان کے پاس آئے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ (۳)۔

اور (اے نبی ﷺ اس واقعے کو بھی یاد کرو) جب حضرت ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب مجھے بھی تو دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے یقین نہیں آتا (حضرت ابراہیم نے) کہا کیوں نہیں۔ لیکن میں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم چار پرندے لے لو پھر ان کو اپنے ساتھ ہلا لو (مانوس کرلو) پھر (ان کو ذبح کر کے) ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا، ہر پہاڑ پر رکھ دو۔ پھر ان کو (اپنے پاس) بلاؤ تو وہ سب تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لو کہ بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

حضرت موسیٰ نے اپنے رب کو دیکھنے کی تمنا کا اظہار کیا، جواب ملا کہ تم نہیں دیکھ سکو گے، لیکن

ذرا پہاڑ پر نظر ڈالو، اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا، حضرت موسیٰ ؑ ہوش میں آئے تو ان کے لب پر یہ کلمات تھے کہ بیشک آپ منزہ و پاک ہیں اور میں ایمان لانے والوں میں پہلا ہوں۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ O (۴)

اور جب (حضرت) موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو (حضرت) موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! تو مجھے دکھا دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ پھر اگر وہ (پہاڑ) اپنی جگہ قائم رہا تو تم بھی مجھے جلد دیکھ لو گے۔ پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو (تجلی نے) ریزہ ریزہ کردیا اور (حضرت) موسیٰ بیہوش ہوکر گر پڑے۔ پھر جب ہوش آیا تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے، میں تجھ سے معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔

رسولوں کے مسلم اول ہونے کا ذکر قرآن حکیم میں مختلف سیاق و سباق میں ملتا ہے، حضرت موسیٰ ؑ کی بے تابی اللہ تعالیٰ سے کلام کے بعد پیدا ہوئی، کلام کو سننے کے بعد صاحب کلام کو دیکھنے کا اشتیاق ایک فطری بات تھی، لیکن نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان اپنی دعوت کے سیاق و سباق میں کیا، اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے، قرآن نے کہا کہ اے رسول، منکروں سے کہدو کہ ذرا زمین میں گھوم پھر کر یہ تو دیکھ لیں کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ اور یہ بھی دیکھ لیں کہ یہ زمین و آسمان کس کے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے ہیں، اور تم جو اس طرح اترائے اترائے پھر رہے ہو اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت واجب کرلی ہے، ان سے کہدو کہ اللہ ہی زمین و آسمان کا خالق ہے، اور یہ بھی کہدو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اسلام لانے والوں میں سے پہلا ہو جاؤں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ
الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِی الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ
اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (۵)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پوچھئے کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے وہ کس کا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ یہ سب اللہ کا ہے۔ (تو بہ کرنے والوں پر) رحمت کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ وہ قیامت کے روز تمہیں ضرور جمع کرے گا۔ جس میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رکھا ہے وہ تو ایمان نہیں لائیں گے اور جو کچھ رات اور دن میں رہتا ہے وہ سب اسی (اللہ) کا ہے اور وہی سنتا (اور) جانتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا، جو آسمان اور زمین کا بنانے والا ہے، کسی اور کو اپنا مددگار بنالوں، حالانکہ وہی سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں فرماں برداری کروں اور یہ بھی (حکم ہوا ہے) کہ مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرب الٰہی اور حدیث وقرآن کے رشتے کو سمجھنے کے لئے کتب علی نفسہ الرحمہ کو اس حدیث قدسی کے آئینے میں دیکھئے کہ

ان رحمتی تغلب علی غضبی۔ (۲)

میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے۔

مسلم اول ﷺ کا سارے مسلمانوں کے لئے عملی نمونہ ہونا نہایت منطقی بات تھی، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق آیات کی تعداد محدود ہے، تو پھر حضرت عائشہؓ نے اس سوال کے جواب میں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتایئے، یہ کیوں فرمایا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ بات

یہ ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں انبیائے ماسبق کا ذکر ہے، اور جہاں جہاں مسلمانوں کی صفات بیان کی گئی ہیں وہ سارے مقامات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے دائرے میں آجاتے ہیں، جب آپ مواجہ شریف پر حاضری کے لئے باب السلام سے داخل ہوں تو مسجد نبوی کی دیوار پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرام لکھے ہوئے نظر آتے ہیں ان ناموں میں صفی اللہ اور کلیم اللہ بھی شامل ہیں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا کی صفات کے جامع ہیں، آپ ﷺ کی صفات کی جامعیت و کاملیت پر علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے خطبات مدراس میں جو کچھ لکھا ہے ہماری زبان وادب میں شاید اس کی مثال نہ ملے، فارسی کا نعتیہ شعر بے حد مشہور ہے۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس مضمون کو جمیل نقوی مرحوم نے اردو میں اس طرح ادا کیا ہے کہ اردو فارسی زبان پر اپنی فوقیت کا اظہار کرسکتی ہے۔

آپ کے اور محاسن بھی ہیں، بے حد و شمار
حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا کے سوا

اسی طرح قرآن حکیم میں مومنوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان سب کا سرچشمہ ذات نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یوں دیکھئے تو رسول اللہ ﷺ کا ذکر قرآن حکیم میں کتنے عنوانات کے تحت ہے، جہاں کہیں ایمان، جہاد، ہجرت، عدل، اخوت و مساوات، تعاون، احسان، رجوع الی اللہ کی تعلیم دی گئی ہے وہ دراصل اتباع اسوۂ حسنہ کی تعلیم ہے۔ ایسے مقامات کا احاطہ کسی مقالے میں ممکن نہیں، مطالعہ قرآن کے سلسلے میں یہاں یہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ قرآن کی ایک آیت بھی کئی مسائل کا احاطہ کرتی ہے اور ہر پہلو تفکر و تدبر کی دعوت دیتا ہے، سیاق و سباق کے بدلنے کے ساتھ اور واقعات و حوادث کے وقوع کے ساتھ قرآن حکیم کی تعلیمات کے نئے پہلو نظر کے سامنے آتے جاتے ہیں، ہم مفید پہلوؤں کو مختصراً پیش کرتے ہیں۔

سورۂ انفال کی آیت ۷۲ میں ان کا ذکر ہے جو ایمان لائے، جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے اموال و انفس کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کیا، اور جنہوں نے ایک دوسرے کی مدد و نصرت کی، اسی سلسلۂ کلام میں ان کے لئے کہا گیا:

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ
وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝ (۷)

وہی سچے مسلمان ہیں، جن کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں
اور بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

ان دو آیتوں میں نبیِٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسلمانوں کی اجتماعی وانفرادی زندگی کے کتنے ہی پہلو سمٹ آتے ہیں، اس آیت (سورۂ انفال، آیت ۷۲) کا یہ پہلو نہایت قابل توجہ ہے کہ جہاد مال ونفس کے ساتھ کیا جاتا ہے، یعنی ہر وہ صلاحیت جو اللہ نے عطا کی ہے اور ہر وہ چیز جو اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کی مدد سے تم نے خود حاصل کی، پھر یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے راستے میں ہر کوشش جہاد کے دائرے میں آ جاتی ہے، اور جہاد صرف قتال تک محدود نہیں۔

افراد کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ میں بھی ان صفات نبویہ ﷺ کا ہونا ضروری ہے، قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت دے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے، کیونکہ فلاح کا راستہ یہی ہے، اور یہی وہ ہموار راستہ ہے جو تفرقے کو روکے گا، جو اس راستے پر چلیں گے وہ آپس کے نقصاندہ اختلاف سے بچیں گے۔ کیونکہ یہ اختلاف فلاح کی جگہ عذاب عظیم کا موجب بنے گا۔

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ
عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ
تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ
عَظِیْمٌ ۝ (۸)

اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور
نیک کاموں کا حکم کرے اور بری باتوں سے منع کرے۔ اور وہی لوگ فلاح
پانے والے ہیں۔ اور تم ان جیسے نہ ہو جانا جو متفرق ہو گئے۔ اور بعد اس کے کہ
ان کے پاس واضح احکام پہنچ چکے تھے وہ باہم اختلاف کرنے لگے اور انہی
لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

قرآن حکیم نے مومن کی انفرادی اور شخصی خصوصیات اور مسلم معاشرے اور ہیئت اجتماعیہ کے عناصر ترکیبی دونوں کو پیش کیا ہے۔ چند مقامات آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ چند اور سورتوں کی طرف ہم آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہیں گے، سورۂ مومنون اور سورۂ فرقان کی طرف۔

قرآن حمید کے مطالعے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، تبلیغ، امن و جنگ میں آپ کی مساعی جمیلہ پر غور کرنے سے ہم پر یہ نکتہ روشن ہوتا ہے کہ اسلام ایسے افراد پر اپنی معاشرتی عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے، جو ایمان اور اعمال صالحہ کو اپنی ذات کا حصہ بناتے ہوئے، ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین اور وصیت کر کے اجتماعی طور پر اسلام کو نافذ کرتے ہیں۔ اس اسلامی معاشرے میں نماز کا ادارہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے، یہ فرد اور جماعت کو ایک دوسرے سے منسلک کر دیتا ہے کہ نماز قلب کی یکسوئی، اپنی تعمیر اور جماعتی نظام کے استحکام کی علامت ہے، نماز میں خشوع اہل ایمان کی اس بنیادی صفت کا استعارہ ہے جو ان کے اجتماعی کردار میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس معاشرے کے افراد صرف زکوٰۃ کی ادائیگی کی منزل پر رک نہیں جاتے بلکہ اپنی ذات کا تزکیہ کرتے ہیں، اُن کے پاکیزہ اعمال نشو ونما اور تطہیر قلب ونظر کا وسیلہ بنتے ہیں۔ ان کی عصمت وعفت افراد کی زندگیوں سے شروع ہو کر پورے معاشرے کی تطہیر کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہ معاشرہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ، حدود کی حفاظت کرتا ہے، اس معاشرے کے افراد اور یہ معاشرہ اجتماعی طور پر اپنے عہد و پیمان، وعدوں اور امانتوں کی حفاظت کرتا ہے، اس اجتماعی صورت ہی کا نام اسلامی ریاست ہے۔ یہ معاشرہ اس دنیا کے بعد آنے والی دنیا اور زندگی میں ہمارے سکون اور فردوس کی وراثت کا ضامن ہوگا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ O الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ O وَالَّذِيْنَ
هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ O وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ O وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ O اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ
فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ O فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْعٰدُوْنَ O وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ O وَالَّذِيْنَ هُمْ
عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ O اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ O الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ
الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ O (۹)

بیشک ایمان والوں نے فلاح پالی ۔(یہ وہ ہیں) جو اپنی نماز میں خشوع کرنے
والے ہیں اور جو لغو باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جو زکوٰۃ دینے والے ہیں اور
جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے،
سو یقیناً ان پر کوئی ملامت نہیں ۔پھر جو کوئی اس کے علاوہ (لذت نفس کے لئے)
کچھ اور چاہے تو وہی (حد شرعی) سے تجاوز کرنے والے ہیں اور (مومن وہ
ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ (بھی مومن
ہیں) جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ۔یہی لوگ وارث ہیں جو فردوس
کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ کے بندوں اور ان کے طرز عمل کو کس طرح سورۃ الفرقان کی آخری آیات میں سمیٹ لیا
گیا ہے، یہ اسلوب قرآن مجید کے معجزہ ہونے کا ثبوت ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا O وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا O
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ
غَرَامًا O اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا O وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ
يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا O وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا O يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ
فِيْهِ مُهَانًا O اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ
اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا O وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا O وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ
وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا O وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ
يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا O وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ
اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا O اُولٰٓئِكَ

يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا O خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا O قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا O (۱۰)

اور رحمٰن کے (خاص) بندے تو وہی ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب ان سے بے علم لوگ بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ (اور الگ ہو جاتے ہیں)۔ اور وہ جو اپنے رب کے لئے سجدے اور قیام میں رات گزارتے ہیں اور وہ جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! جہنم کو ہم سے دور رکھ، یقیناً اس کا عذاب پوری تباہی ہے، بیشک وہ تو بہت برا ٹھکانا اور بہت برا مقام ہے، اور وہ جو خرچ کرتے وقت نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل اور ان کا خرچ کرنا اعتدال پر ہوتا ہے۔ اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو حق کے سوا قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں، اور جو کوئی ایسا کام کرتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ قیامت کے روز اس کو دوہرا عذاب ہوگا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا۔ سوائے اس کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے، اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کئے تو تحقیق اس نے اللہ سے سچی توبہ کی۔ اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ لغویات کے پاس سے گزرتے ہیں تو بزرگانہ طور پر (بغیر التفات کے) گزر جاتے ہیں، اور جب ان کو ان کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ ان میں غور کرتے ہیں) اور وہ جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے بدلے جنت کے بالا خانے

دیئے جائیں گے جہاں ان کو دعا و سلام پہنچایا جائے گا۔ وہ اس (جنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بہت ہی اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اس کو نہ پکارو تو میرے رب کو تمہاری (ذرا بھی) پروا نہیں۔ البتہ تم جھٹلا تو چکے سو بہت جلد سزا لازم ہوگی۔

اللہ کے بندوں کی عاجزی، ایک صالح نظام کی سربلندی کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور جاہلانہ جارحیت کو یہ عبادالرحمٰن اپنی خاموشی کے ذریعے پسپا کر دیتے ہیں، راتوں میں ان کا قیام، سجود، معاشرے میں انصاف کی صبح کی نوید بن جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا اقتصادی نظام قائم کرتے ہیں جس میں نہ بخل کے ذریعے انسانی ضروریات کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور نہ اسراف کے ذریعے پیداوار کے ذرائع ضائع کئے جاتے ہیں، اس نظام میں انسانی جان کو محترم قرار دیا جاتا ہے۔ جھوٹی گواہی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور انسانی نسب کی حفاظت نیک چال چلن کے ذریعے کی جاتی ہے۔

اسی معاشرے کے قیام کے لئے اللہ کے رسولوں نے وہ جدوجہد کی جس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی اور اس جدوجہد کے لئے انہوں نے سب کچھ قربان کر دیا۔ ان کی تکذیب کی گئی، ان کا مذاق اُڑایا گیا، ان کو اذیتیں دی گئیں، ان کو قتل کیا گیا انہیں آرے سے چیرا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی صدیوں کی تبلیغ اور جدوجہد نے ان کی قوم کے بیشتر افراد پر کوئی اثر نہیں کیا کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارہ تیرہ سال مسلسل امتحان تھے۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، آپ کے جسم اطہر پر گندگی اور کوڑا کرکٹ پھینکا گیا۔ آپ کو اس مسجد حرام میں کعبہ کی دیوار کے سائے میں بے رحمی اور بے دردی سے اس قدر مارا گیا کہ آپ ﷺ کی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی موت سے قریب تر ہو گئی۔ حضور ﷺ کا سفر طائف حق و صداقت کی ہزاروں برس کی جدوجہد کا سب سے کڑا اور جان گسل مرحلہ تھا کہ پہاڑوں کے فرشتے نے آپ سے آ کر عرض کیا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ان ظالموں کو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں اور رحمۃ للعالمین نے اس درخواست کے جواب میں اپنے رب سے ان ظالموں کے ایمان لانے کی دعا فرمائی۔ رسولوں نے اپنی قوموں اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی فلاح و نجات کے لئے کیا کچھ دکھ نہیں جھیلے اور وہ بھی کسی اجر معاوضے کے تصور کے بغیر، قرآن کریم میں رسولوں کا یہ اعلان بار بار ملتا ہے کہ:

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○(۱۱)
میں تم سے کچھ نہیں مانگتا، میرا اجر تو میرے رب کے پاس ہے۔

قرآن نے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ رسول انسان ہیں، اگر وہ انسان نہ ہوتے بلکہ فرشتے یا کوئی اور نوری مخلوق ہوتے تو انسان کے مسائل کو کیسے سمجھتے؟ انسانوں کی نفسیات کا ہر گوشہ ان کے لئے کھلی ہوئی کتاب کی مانند تھا۔ مشرکین اور کفار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ رسول ہماری طرح انسان کیسے ہوسکتے ہیں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ بازاروں میں چلیں پھریں، کھائیں پئیں اور دوسرے بشری تقاضوں کو پورا کریں۔

رسولوں کو اپنے ہم قوموں اور ساتھیوں کے ساتھ جو محبت تھی اس کو ''اولیٰ اور صاحب'' کی اصطلاحوں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ اولی کے معانی ہیں بڑا خیر خواہ، بہت دوست، بہت قریب، زیادہ حق دار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت مومنین کے رشتے کو پیش کرتے ہوئے رب کائنات نے فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (۱۲)
رسول اللہ مومنوں پر خود ان کے نفس سے زیادہ حق رکھتے ہیں، اور ان کی ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

سورۂ احزاب کی چھٹی آیت کا یہ ابتدائی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت کے مسلمانوں کے باہمی رشتے کا جامع ترین بیان ہے۔ رسول اللہ ہم پر ہماری جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں، ان کو اپنی ذات، اپنے والدین اور ساری دنیا سے زیادہ عزیز رکھنا ہمارے ایمان کی کسوٹی ہے۔ اس محبت کے دائرے بہت وسیع ہیں اور ان میں سے اہم ترین دائرہ اطاعت کا دائرہ ہے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جو آدمی ہم سے بہت قریب ہو، ہمارے درمیان رہے، اس کی کوئی بات ہم سے ڈھکی چھپی نہ ہو تو یہ قربت اس کا احترام کم کردیتی ہے، لیکن انبیائے کرام اور ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم معجزہ یہ ہے کہ اس قربت نے ان کے احترام اور ان سے محبت میں اضافہ ہی کیا ہے، اس رشتے کو اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کا ''صاحب'' قرار دے کر بیان کیا ہے، یعنی وہ ذات، جو امت کے ساتھ وابستہ اور پیوستہ ہے، سورۂ النجم کا آغاز یوں ہوا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ○ (۱۳)
قسم ہے گرتے ہوئے ستارے کی، تمہارے صاحب (ساتھی) نے نہ راستہ گم کیا